© rasailojaraid.com

بین المسالک مکالمہ کے تناظر میں اظہارِ رائے کے ضوابط کا علمی جائزہ

دوست محمد خان*
ضیاء الحق**

اظہار رائے کی آزادی ابتداء ہی سے مسلم معاشرہ کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ اسلام سے پہلے اظہار رائے کی آزادی پر قدغن لگانے کے لیے اصحاب اقتدار نے ہر زمانے میں طرح طرح کے ظلم و بربریت کو مباح سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ شاہانِ قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بادشاہوں کے مزاج کے خلاف کوئی بات کرنا ایک جرم عظیم تصور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اپنی آمد کے ساتھ ہی فکری آزادی کو بڑی اہمیت دی اور تمام قسم کی فکری اور آمرانہ تسلط کو محدود کرتے ہوئے مملکت کا شورائی نظام وضع کیا۔ اور مذہب کے حوالے سے کسی بھی انتہاء پسندی اور فرقہ واریت کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے حقیقت کی تلاش کے لیے اصول وضوابط مقرر کیے۔ جن پر چل کر پر امن ماحول میں حق کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔

اسلام اور آزاد اظہار رائے:

اسلام نے آزادی کو انسان کے لیے ایک بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا۔ چنانچہ اسلامی نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے تمام تشریعی امور کے اندر انسان کی آزادی کو بہت ہی وسیع مفہوم کے ساتھ ملحوظ رکھا۔ اس لیے جب تک انسان کے کسی فعل سے کسی دوسرے انسان کو فکری، جانی اور مالی نقصان نہیں پہنچ رہا ہو۔ تو اسلام نے اس پر کسی قسم کی کوئی قدغن نہیں لگائی۔

اسلامی نقطہ نظر سے آزادی کا مطلب فحاشی وعریانی اور ہوس پرستی وغیرہ نہیں ہے۔ چنانچہ جو آزادی انسان کو ان امور کی طرف لے جائے وہ حقیقتاً آزادی نہیں بلکہ آزادی کا ایک غیر اسلامی مفہوم ہے۔ آزادی رائے کے نام پر فحاشی اور فتنہ وفساد کو فروغ دینا اسلامی نقطہ نظر سے آزادی کا ایک غلط مفہوم ہے۔ چنانچہ اسلام نے آزادی کے اس غلط مفہوم کی نشاندہی کرتے ہوئے ابتداء ہی سے آزادی کا مفہوم واضح کر دیا۔ جس کی رو سے ایک انسان پیدائشی طور پر آزاد پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے انسان کی آزادی کو مقید نہیں کیا جا سکتا، آزادی انسان کا بنیادی حق ہے۔ اور اسلامی نقطہ نظر سے ہر حق کے مقابل انسان کے ذمے کوئی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اس بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مثل القائم علی حدود اللہ والواقع فیھا ، کمثل قوم استھموا علی سفینۃ فاصاب بعضھم اعلاھا و اصاب بعضھم اسفلھا، فکان الذین فی اسفلھا اذا استقوا من الماء مروا علی من فوقھم فقالوا: لو انا خرقنا فی نصیبنا خرقا ولم نوذ من فوقنا، فان یترکوھم ما ارادوا ھلکوا جمیعا وان اخذوا علی ایدیھم نجوا جمیعا."(۱)

"حدود اللہ کو قائم کرنے والے اور انہیں پامال کرنے والے کی مثال ایسی جماعت کی ہے۔ جو ایک کشتی میں سوار ہے۔ جن میں سے بعض کشتی کے اوپر والے حصے میں سوار ہیں اور بعض کشتی کے نچلے والے حصے میں، کشتی کے نچلے حصے والوں کو جب پانی کی ضرورت پڑی تو وہ اوپر والوں کے پاس آکر کہنے لگے۔ کہ اگر اجازت ہو تو ہم اپنے حصے

*پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور، پاکستان
**ریسرچ ایسوسی ایٹ/لیکچرر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور، پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں (کشتی کے نچلے حصے) ہی میں کوئی نقب لگا کر پانی نکالنے کا بندوبست کر لیں۔ تا کہ اوپر والوں کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہو، پس اگر اوپر والے ان کو اپنے ارادے پر چھوڑ دیں تو سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں۔ اور اگر ان کو منع کریں تو سب ڈوبنے سے بچ جائیں۔"

اس مثال کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کو ایک کشتی کے مسافر قرار دیا۔ جس میں اچھے اور نیک لوگ بھی ہیں اور ایسے جاہل و ناداں بھی معاشرے کے نفع و نقصان کو مدنظر رکھے بغیر اپنی خواہشات کے اشباع میں لگے رہتے ہیں۔ اب اگر ان لوگوں کی ان کی حالت پر چھوڑا جائے تو یہ اپنے ساتھ پورے معاشرے کے ہلاکت کا باعث ہوں گے۔ اور اگر ان غلط امور سے ان لوگوں کو روکا جائے۔ تو پورا معاشرہ سدھر جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آزادی کا مغربی مفہوم صرف حقوق کا نام ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص کسی بھی وقت حقوق کے نام پر معاشرتی یا اخلاقی حدود پار کر سکتا ہے۔ تاہم اسلامی نقطہ نظر سے آزادی کا مفہوم دو چیزوں یعنی حقوق اور ذمہ داریوں کے مجموعے سے تشکیل پاتا ہے۔ کیونکہ اگر آزادی کو ذمہ داریوں کے ساتھ مربوط نہ کیا جائے۔ تو اس وقت انسان دوسروں کے حقوق کو خاطر میں نہیں لاتا۔ جس کا لازمی نتیجہ معاشرے میں عدم توازن کی صورت میں نکلتا ہے۔

آزادی کا فلسفیانہ مفہوم:

فلاسفہ کے ہاں آزادی کا مفہوم کسی شخص کا تمام قسم کے شوائب مثلاً غلامی اور کسی بھی قسم کی سیاسی اور اجتماعی قید و بند سے پاک ہونا ہے۔

اس تعریف کی رو سے آزادی کی بنیادی طور پر تین قسمیں بنتی ہیں:

۱۔ کسی بھی موجود شئی کا تمام قیود سے پاک ہو کر اپنی طبیعت اور ارادے سے حرکت کرنا آزادی ہے۔ جس طرح اوپر سے نیچے گرنے والی چیز بغیر رکاوٹ کے اپنی طبیعت اور وزن کے موافق رفتار سے نیچے آتی ہے۔ تاہم یہ آزادی کا عمومی ہے۔

۲۔ آزادی کا دوسرا مفہوم سیاسی اور اجتماعی ہے۔ جس کو ہم جزوی آزادی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا کسی بھی قسم کے بلیک میلنگ اور معاشرتی دباؤ سے پاک ہونا۔ چنانچہ اس تعریف کی رو سے آزاد شخص وہ ہے، جو بغیر کسی جبر کے قانون کی پاسداری میں اپنی زندگی گزارے۔ فرانس کے انسانی حقوق کا مسودہ جو ۱۹۸۹ء میں ترتیب دیا گیا۔ اس کے اندر بھی آزادی کے اس مفہوم کو اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مسودے کا آرٹیکل نمبر ۱۱ کہتا ہے کہ اظہار رائے کی آزادی تمام شہریوں کا بنیادی حق ہے۔ لہٰذا ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادانہ طور پر کسی بھی چینل پر قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرے۔ تاہم وہ اپنے کسی بھی عمل کا خود ذمہ دار بھی ہوگا۔ (۲)

اسی طرح انسانی حقوق کے عالمی دستاویز Universal Declaration of Human Rights میں بھی آزادی کا اس سے ملتا جلتا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ آرٹیکل نمبر ۲۹ میں واضح طور لکھا گیا ہے کہ:

"Everyone has duties to the community in which alone the free and full development of his personality is possible. In the exercise of his rights and freedoms, everyone shall be subject only to such limitations as are determined by law solely for the purpose of securing due recognition and

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

respect for the rights and freedoms of others and of meeting the just requirements of morality, public order and the general welfare in a democratic society. These rights and freedoms may in no case be exercised contrary to the purposes and principles of the United Nations"

یعنی ہر شخص قانون کے دائرے میں رہ کر ہی اپنے حقوق اور آزادی سے مستفید ہوسکتا ہے۔آزادی کو قانون کے ساتھ مقید کرنے کا مقصد دوسروں کے حقوق اور آزادی کی حفاظت ہے تاکہ معاشرہ عدل وانصاف کے ساتھ پروان چڑھ سکے۔

اسلام میں فکری آزادی کا تصور:

چونکہ تفکیر انسان کی فطرت میں داخل ہے۔اس وجہ سے اسلام نے اس فطری چیز پر کوئی قدغن نہیں لگائی ۔ بلکہ اسلام نے انسان کو مظاہر قدرت کے اندر سوچ بچار اور غور وفکر کر کے حقیقتِ اصلیہ کی معرفت حاصل کرنے پر ابھارا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾.(۴)یعنی اللہ نے اپنے محبوب بندوں کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے ان کے آسمان وزمین کی تخلیق کے حوالے سے سوچ وبچار کو مستحسن قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام ہمیشہ انسانی معاشرے کے مختلف طبقات اور مکتبہ ہائے فکر کے درمیان فکری اور ثقافتی تبادلے(Intellectual & Culture Sharing)پرزور دیتا ہے اور انسانی تہذیب کو پوری انسانیت کا ورثہ قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان مختلف زمانوں میں اپنے دور کے دوسری اقوام سے علمی اور ثقافتی میدانوں میں استفادہ کرتے رہے۔اس سلسلے میں آزادی رائے کی سب سے بڑی مثال اسلام کا شورائی نظام ہے۔جس کے اندر شوری کا ہر رکن حاکم کے تقرر کے حوالے سے اپنی رائے دے سکتا ہے۔قرآن میں ارشاد ہے:"وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ" (۵)یعنی مسلمانوں کا امر(حکومت)مشورے سے طے پاتا ہے۔

اظہار رائے چونکہ انسان کی ایک فطری خصلت ہے اور اس فطری عمل کو انسان سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔چنانچہ یہ بات ضروری ہے کہ ہر انسان آزادانہ طور پر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرے۔لیکن کسی بھی لغو اور باطل چیز سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ شریعت کے حدود میں رہے۔چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" کف علیک هذا! فقلت : یا نبی الله ! وانا لمؤاخذون بمانتکلم به؟ فقال : ثکلتک امک یا معاذ! وهل یکب الناس فی النار علی وجوههم أو علی مناخرهم الا حصائدألسنتهم" (٦)

یعنی اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہماری گفتگو پر بھی ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟فرمایا:اے معاذ! تیری ماں تجھے گم کردے۔کیا قیامت کے دن لوگ زبان کے علاوہ کسی اور چیز کی وجہ سے بھی جہنم میں منہ کے بل پھینک دئے جائیں گے۔(مطلب یہ ہے کہ اکثر لوگ اپنی زبان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے)۔آزادی اظہارِ رائے کے باب میں سچائی اور حق کا اتباع ایک لازمی امر ہے۔چنانچہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (۷)ترجمہ:اے ایمان والو!اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

آزادی اظہارِ رائے کے چند بنیادی ضابطے:

آزادی رائے کے حوالے سے کسی بھی دینی، اخلاقی یا کم ازکم عقلی اصولوں کی پاسداری کئے بغیر انسانی معاشرہ کبھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلاح کی راہ نہیں دیکھ سکتا۔ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر چیز کے لیے کچھ نہ کچھ حدود متعین ہوں۔ اگر اظہارِ رائے کے حوالے سے کسی بھی قید کا کوئی خیال نہ رکھا جائے، تو اظہارِ رائے کی افادیت ہی ختم ہو جائے۔ کیونکہ اگر بلا قیود اظہارِ رائے کی آزادی دی جائے تو اس کا مآل یقیناً گمراہی کے علاوہ کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ماضی میں مختلف امتوں کی گمراہی کی مثالیں اس حوالے سے موجود ہیں۔ اظہارِ رائے کے حوالے سے اسلام کا جو ایک بنیادی قاعدہ ہے، وہ ہے (**عدم الاضرار بالنفس وعدم الاضرار بالآخرین**) کہ اظہارِ رائے میں یہ بات ملحوظِ نظر ہونی چاہیے کہ ایسی بات کی جائے کہ جس میں اپنا کوئی نقصان ہو اور نہ کسی دوسرے کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مبارکہ میں ''**لا ضرر ولا ضرار**'' (۸) کہہ کر اظہارِ رائے کے لیے حدود متعین کر دیئے ہیں۔ لہٰذا دورِ حاضر کے انسانی حقوق کے بعض نام نہاد علمبرداروں کو ہرگز یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اظہارِ رائے کی مطلق آزادی کا نعرہ لگا کر دوسروں کے حقوق پامال کر دیں۔

حوار (ڈائیلاگ) میں اظہارِ رائے کے اسلامی ضابطے:

اسلامی نقطہ نظر سے حوار یا باہمی مکالمہ یا مذاکرات کسی بھی مسئلے کے حل کی طرف ایک نہایت اہم قدم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (۹)

یعنی اہلِ کتاب کو مناظرے کی دعوت دے کر کہا جا رہا ہے۔ کہ ہم میں سے ضرور ایک جماعت گمراہی یا ہدایت پر ہوگی۔ قرآن پاک نے دوسرے ادیان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے مکالمے کے آداب اور شرائط کا بھرپور خیال رکھا۔ چنانچہ درج بالا آیت کے اندر ہدایت اور گمراہی کے مفروضے کو دونوں فریقوں پر چسپاں کر دیا۔ تاکہ فریق مخالف کے ساتھ مکالمے کے لیے اچھا ماحول قائم ہو سکے۔ اگر مخالف فریق ہی کو گمراہ کہا جاتا تو شاید مکالمے کے لیے اچھا ماحول پیدا نہیں ہوتا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مکالمے میں اظہارِ رائے کے لیے درج ذیل ضوابط مقرر کیے گئے ہیں۔

پہلا ضابطہ:

مکالمے کے اندر اظہارِ رائے کا پہلا ضابطہ یہ ہے کہ اپنا موقف پیش کرتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور کسی بھی قسم کے مبالغہ آرائی اور افراط وتفریط سے گریز کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ (۱۰) یعنی ہم نے تمہیں درمیانی امت بنائی ہے جو اپنے تمام امور میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے والی ہے۔ چنانچہ یہ بات ضروری ہے۔ کہ اظہارِ رائے کے وقت ہمیں لفظی اختلافات اور جانبدارانہ امور میں پڑنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اسی طرح یہ بات بھی انتہائی اہم ہے کہ کسی بھی دینی معاملے میں دلیل دیتے ہوئے تاریخی روایات کو پیش نہ کیا جائے۔ تاہم تاریخی اعتبار سے جو بات محدثانہ منہج سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ (۱۱)

دوسرا ضابطہ:

مکالمے میں علمی منہج کے مطابق موضوعی اور اکیڈمک انداز میں گفتگو کی جائے اور ان تمام امور سے اجتناب برتا جائے۔ جو حقیقت تک پہنچنے میں رکاوٹ بن سکتے ہوں۔ کیونکہ مقصد حقیقت کی تلاش ہے۔ اس وجہ سے اگر موقف حقیقت سے متصادم ہو تو اس سے پیچھے ہٹنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہوتی ہے۔ جہاں ملے وہی اس کا حقدار ہوتا ہے۔ اسی طرح علمی منہج کا تقاضا یہ ہے کہ حقیقت کی تلاش میں اصل مراجع اور امہات الکتب کی طرف رجوع کیا جائے۔ کیونکہ اکیڈمک نقطہ نظر سے زیرِ بحث موضوع پر ریفرنس دیتے ہوئے تحقیقی اصولوں اور حقیقت بیانی کا دامن کبھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہاتھ سے نہیں چھوڑ نا چاہیے۔(۱۲)

تیسرا ضابطہ:

مکالمے کا تیسرا ضابطہ یہ ہے کہ مناظرے کے منطقی اور عقلی مسلمات کا التزام کیا جائے۔علمِ منطق اگرچہ یونانی فلاسفہ کا وضع کردہ ہے۔تاہم بعد کے ادوار میں مسلم فلاسفہ نے اس فن میں مادی منطق کا اضافہ کیا۔جو کہ منطق صوری سے زیادہ مفید اور مسلم چیز ہے۔کیونکہ منطقِ صوری کے اندر اشیاء کے حقائق تک رسائی کے لیے قیاس اور استنتاج پر اعتماد ہوتا ہے۔منطقِ مادی میں حقائق تک استقراء اور استنباط کے ذریعے پہنچا جاتا ہے۔یہ ضابطہ اس لیے زیادہ اہم ہے کہ اس کی مدد سے ایسے عقلی مسلمات سے مکالمے کا آغاز ہوتا ہے۔جو تمام عقلاء کے ہاں مقبول ہوتے ہیں۔اور جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔اس طرح ایک متفقہ چیز سے مکالمے کا آغاز ہوتا ہے۔(۱۳)

چوتھا ضابطہ:

مکالمے کا چوتھا ضابطہ یہ ہے کہ کسی بھی صحیح منقول یا صریح منقول بات کا انکار نہ کیا جائے۔کیونکہ حوار کا بنیادی قاعدہ ہی یہی ہے کہ (اذا نقلت فالصحۃ وان ادعیت فالدلیل) کہ جب کوئی بات نقل کی جائے تو صحیح طور پر نقل کی جائے اور جب کسی چیز کا دعوی ہو تو دلیل کے ساتھ ہو۔اب جب کوئی بات صحیح طور پر نقل کی گئی ہو یا صریح استدلال کی روشنی میں ثابت ہو رہی ہو۔تو اس کا انکار ممکن نہیں۔اگر ایسی تسلیم شدہ بات کا انکار کیا جائے۔تو وہ انکار جاحد ہے۔اور اس قسم کے چیزوں کے ہوتے ہوئے حقیقی مکالمے کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

پانچواں ضابطہ:

مکالمے کا پانچواں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز دین میں قطعی طور پر ثابت ہے۔اس کی مخالفت نہ کی جائے۔یعنی جن چیزوں کا تعلق دینی مسلمات سے ہو۔مثلاً ایمان بالغیب،نماز،زکواۃ،روزہ۔۔۔۔وغیرہ کے ثبوت اور عدمِ ثبوت میں مکالمہ قطعاً جائز نہیں۔(۱۴)

چھٹا ضابطہ:

چھٹا ضابطہ یہ ہے کہ مکالمے میں اچھی اور شائستہ زبان استعمال کی جائے اور فحش گوئی و بیہودگی سے اجتناب کیا جائے۔اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:﴿وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾(۱۵)
یعنی اچھی گفتگو اور محمود راستے کی طرف ہدایت حاصل کرو۔ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾(۱۶)

''اس چیز کے پیچھے مت پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔بے شک کان، آنکھ اور دلوں کی بابت پوچھا جائے گا۔''

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

" قلت : يا رسول الله ! أى المسلم أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه ويده" (۱۷)

یعنی میں نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا مسلمان افضل ہے؟ فرمایا: وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہے۔اس طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ماسمع "(۱۸)
''یعنی کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے نقل کریں۔''

ساتواں ضابطہ:

ساتواں ضابطہ یہ ہے کہ ہمیشہ حقیقی اور سچی گفتگو کی جائے۔اور محض وہم اور شکوک کی بنیاد پر بات نہ ہو۔ارشادِ خداوندی ہے۔:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (۱۹)

یعنی اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی فاسق آدمی کوئی بات لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نہ جانتے ہوئے کسی جماعت کو گزند پہنچاو۔پھر اپنے کیئے پر تمہیں پچھتانا پڑے۔

آٹھواں ضابطہ:

آٹھواں ضابطہ یہ ہے کہ اظہارِ رائے اور موقف بیانی کے اندر عدل وانصاف کے پیمانوں کا خیال رکھا جائے۔چنانچہ کسی بھی قسم کی جانبداری یا ظلم وزیادتی سے اجتناب برتا جائے۔اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُواْ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى﴾ (۲۰)

''اور جب کوئی گواہی دو،تو عدل وانصاف کے ساتھ دو، چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔اللہ ہی تمہیں عدل وانصاف کا حکم دیا ہے۔تاکہ تم نصیحت حاصل کرسکو۔''

بین المسالک مکالموں کے اندر اگر اظہارِ رائے کے درج بالا اصولوں کو مدنظر رکھا جائے۔تو مکالمہ اپنی افادیت حاصل کرتا ہے اور اس کے بہت ہی مثبت اثرات معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔کیونکہ اس قسم کے حقیقی مکالمے اور اظہارِ رائے سے امتِ مسلمہ کے مختلف طبقوں کے درمیاں اعتماد کی فضاء قائم ہوجائے گی۔اور صریح اظہارِ رائے سے باہمی تحفظات کا ازالہ ہوگا اور سچی اور حقیقی گفتگو امتِ مسلمہ کے مختلف فرقوں کے درمیان الفت ومحبت جنم دے گی۔اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مختلف قسم کے آراء کا احترام کے ماحول میں تبادلہ ممکن ہوجائے تو اس سے تہذیبی لحاظ سے امتِ مسلمہ کی جڑیں مضبوط ہوجائیں گی اور اسلامی معاشرہ ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوگا۔اس کے برخلاف اگر آپس میں کنارہ کشی اور ایک دوسرے سے اعراض کرنے کا سلسلہ جاری رہا تو یقیناً آپس میں دوریاں پیدا ہوں گی اور باہم شکوک وشبہات کی خلائیں مزید وسیع ہوجائیں گی۔(۲۱)

امام ابو یوسف اپنے شیخ امام ابوحنیفہ کے مرضِ وفات میں ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔امام صاحب کو جب تھوڑا افاقہ ہوا۔تو فرمانے لگے کہ اے یعقوب! چند چیزوں کا بہت ہی خیال رکھنا، جب کبھی کسی حاکم کے پاس جانا پڑ جائے تو ان کی نصیحت میں بخل سے کام نہیں لینا، تاہم اس حوالے سے چند باتیں ضرور مدنظر رکھنا:

پہلی بات یہ ہے کہ انہیں انتہائی رازداری میں نصیحت کرنا کیونکہ دوسروں کے سامنے نصیحت کرنا ان کو شرمندہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔دوسری بات یہ کہ جب بھی حاکم کو نصیحت کرے تو ان کے مرتبے اور منصب کا خیال رکھنا کیونکہ اگر آپ نے ان کی حیثیت کا خیال نہیں رکھا تو وہ تم سے اعراض کرے گا۔تیسری بات یہ کہ ان کو شفقت اور محبت کے ساتھ نصیحت کرنا مثلاً آپ ان سے کہہ دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اے امیر المومنین! مجھے آپ سے بہت شفقت ہے اور مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں آپ دنیا سے دھوکہ کھا کر آخرت سے غافل نہ ہو جائیں وغیرہ۔

چنانچہ امام ابو یوسف بسا اوقات کہا کرتے کہ مجھے اپنی زندگی میں ابو حنیفہ کے علم سے زیادہ ان کے نصیحتوں سے فائدہ ہوا۔(۲۲)

اظہارِ رائے اور دعوت الی اللہ:

ہر انسان کی فطرتاً یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کو حق سمجھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس پر آجائیں۔ اس وجہ سے انسانی تاریخ میں کئی اقوام نے اپنا دین اور اپنی ثقافت دوسروں پر مسلط کرنے کے لیے قتل وغارت کا بازار بھی گرم کیا۔ تاہم اسلام کے عالمگیر دعوتی منہج کی بنیاد افہام وتفہیم اور اقناع پر قائم ہے۔ اس لیے طاقت کے زور پر دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

دوسروں کو دین کی دعوت دینا یقیناً اظہارِ رائے کی آزادی ہے۔ تاہم اسلام اس سلسلے میں سی قسم کی ظلم وزیادتی اور خون ریزی کو حرام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک نے صریح الفاظ میں دینی اور فکری آزادی کو تسلیم کرتے ہوئے اعلان کردیا:

﴿إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (۲۳)

''دین کے اندر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں۔ بے شک رشد وہدایت کا راستہ واضح ہوگیا۔''

اسی طرح اسلام مختلف انسانوں کے درمیان امن وامان کو اصل اور جنگ کو ایک استثنائی صورت قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (۲۴)

''اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے چالوں کی پیروی مت کرو۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَإِن جَنَحُواْ لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾(۲۵)

''اگر وہ امن کی طرف مائل ہو جائیں تو اللہ پر توکل کرو۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ﴾ (۲۶)

''جو لوگ تم سے دینی امور میں قتال نہیں کرتے تو اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان کے ساتھ نیکی اور انصاف والا معاملہ کرو۔ بے شک اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اسلام صرف ان لوگوں سے قتل وقتال کی اجازت دیتا ہے جو مسلمانوں پر حملے کرتے ہیں اور ان پر ظلم وزیادتی روا رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے اور امن کی فضاء قائم رکھنا چاہتے ہیں، تو اسلام ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ چاہے وہ کفار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس وجہ سے جمہور علماء کے نزدیک محض کافر ہونا قتال کے لیے کافی سبب نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

۱۔ البخاری ، محمد بن اسماعیل، جامع الصحیح، کتاب الشرکة، باب هل یقرع فی القسمة والاستهام فیه، الجزء ۸، حدیث ۲٤۹۳، ص ۲۹۹۔

۲۔ http://www.echr.coe.int/Documents/Convention_ENG.pdf

۳۔ http://www.un.org/en/documents/udhr/

۴۔ آل عمران : ۱۹۱۔

۵۔ الشوری: ۳۸۔

۶۔ الترمذی، محمد بن عیسی، جامع سنن، دارالفکر ، بیروت ، لبنان، ۱۹۹۹ء، ۲۰۲/۹ ۔

۷۔ التوبة: ۱۱۹۔

۸۔ ابن ماجه، سنن ابن ماجه ، باب من بنی فی حقه مایضر بجاره، دار صادر ، بیروت، ۱۹۹۰ء، ۱٤۳/۷

۹۔ سباء: ۲٤ ۔

۱۰۔ البقرة: ۱٤۳۔

۱۱۔ عابدین، محمد ابی الیسر، نقد منهج المورخین، دارالبشائر، دمشق، ۲۰۰٤ء، ص۱۲۱۔

۱۲۔ هارون ، عبدالسلام، ضابطة البحث العلمی،دار صادر، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲ء، ص ۵۵۔

۱۳۔ الفرفور ، محمد عبداللطیف
sacredknowledge.worldpress.com/2014/06/17/shaykh-muhammad-abdul-latif-al-farfour-al-hassani-passes-away/

۱۴۔ الامام الغزالی، فیصل التفرقه، دار صادر ،بیروت ۱۹۹۰ء ،ص ۲۵۔۲٦۔

۱۵۔ الحج : ۲٤۔

۱۶۔ الاسراء: ۳٦۔

۱۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، دار صادر بیروت، ۱۹۸۸ء ، ۱٤/۱۔

۱۸۔ مسلم، مسلم بن الحجاج، صحیح ، باب النهی عن الحدیث بکل ماسمع ، دار صادر، ۱۹۹۰ء، ۱۵/۱

۱۹۔ الحجرات :۲٤۔

۲۰۔ الانعام : ۱۵۲۔

۲۱۔ الصالح، دکتور محمد احمد، حقوق الانسان فی العصر النبوی، تحقیقی مقاله پیش کرده ، الندوة العلمیة حول حقوق الانسان ، منعقده، کنگ نایف یونیورسٹی، سعودی عربیه، ۱۹۹۹ء۔

۲۲۔ ابوزهرة، محمد، ابوحنیفه، حیاته وعصره وآراء ه، دارالفکر ، بیروت، ۱۹۹۵ء، ص ٦۹۔

۲۳۔ البقرة: ۲۵٦۔

۲۴۔ البقرة: ۲۰۸۔

۲۵۔ الانفال: ٦۱۔

۲۶۔ الممتحنة: ۸۔

© rasailojaraid.com